اردو ادب پر مذہب کا اثر

ڈاکٹر غلام یحییٰ ، ہمدرد یونیورسٹی ، نئی دہلی ۶۲

ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں ظہور اسلام نے عربوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی مختلف قبیلے جو آپس میں کبھی برسرپیکار تھے متحد ہو گئے پیداوار جو زیادہ تر خانہ جنگی میں ختم ہوتی تھی اب سیاست، تجارت اور اسلام کی اشاعت میں کام آنے لگی تمام عرب میں ایک نیا مذہب قائم تھا اور ہر مسلمان اپنا فرض منصبی سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوتا غرض کہ ان کی کوششیں منظم ہو گئیں اور گھر کے جھگڑوں سے نجات پا کر دنیا میں پھیل جانے کی امنگ پیدا ہوئی۔ اسی سلسلہ میں وہ ہندوستان بھی آئے چنانچہ ساتویں صدی عیسوی سے مسلمان ہندوستان کے مغربی ساحل پر نمایاں تعداد میں آباد ہونے لگے۔ ان لوگوں کے اخلاق و عمل کا اتنا اچھا اثر پڑا کہ نویں صدی کے اوائل ہی میں مالابار کا ایک راجہ مسلمان ہو گیا اور ہر جگہ نو وارد مسلمان کی قدر بڑھنے لگی جس کا ایک ثبوت یہی کیا کم ہے کہ ساحل مالابار پر گیارہ مسجدیں نظر آنے لگیں۔

جب ہم ساتویں صدی عیسوی کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ اس وقت یہاں تین مذاہب خصوصاً نمایاں تھے۔ (۱) ہندو مذہب (۲) جین مت (۳) بدھ مت۔ اسلام جنوبی ہند میں ساتویں صدی کے وسط میں آگیا تھا اور نہایت تیزی کے ساتھ مسلمانوں نے مل جل کر ہندوستان کے مذہبی تخیل اور نظریوں کو متأثر کرنا شروع کر دیا تھا اور نویں صدی عیسوی تک اس کا اثر پیدا ہو گیا تھا ——————— بھگتی کے عقائد و عمل کو دیکھ کر یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہ اسلامی تصوف کی شاخ ہے یا اسلامی تصوف بھگتی کی ایک شاخ ہے اس بحث سے درگزر کر کے تصوف نے بھگتی سے کسب فیض کیا یا بھگتی نے تصوف سے فائدہ اٹھایا۔ ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ

مسلمانوں اور ہندوؤں میں خلاملا ضرور ہو گیا ہے اور صوفیوں کے ذریعہ طرفین کے عقائد پر غور وخوض کیا جاتا تھا لیکن خدا کو ایک اور منزہ ماننے کے احساس میں اسلامی وحدانیت کا طرز تخیل غالب تھا کبیر پر اس کا کافی سے زیادہ اثر تھا۔

ہندوستان میں مسلمان و ہندو صدیوں سے حاکم و محکوم عزیز و احباب کی طرح رہ چکے تھے اس بات کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ نوزائیدہ کلچر کے سلسلہ میں ایک نئی زبان کا پیدا ہونا بھی لازمی تھا۔ فارسی، عربی، ترکی ایک طرف اور سنسکرت سے نکلی ہوئی ایک ہندوستانی زبانیں دوسری طرف رائج تھیں اصطلاحی الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ بھی اِدھر اُدھر برابر رواں دواں نظر آتے تھے۔ جس میں صرف عوام ہی نہیں اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر حصہ لے رہے تھے بلکہ خواص بھی شریک تھے۔ امیر خسرو، عبدالرحیم خانخاناں وغیرہ ہندوستانی و اسلامی زبانوں کے بھی ماہر تھے جن کو دونوں زبانوں سے محبت تھی ان کو نئی زبان کی تخلیق میں مدد کرنے کا زیادہ موقع ملا ہوگا وہ آسانی سے ایک طرف کے الفاظ و محاورات دوسری طرف منتقل کرنے میں کامیاب معاون ثابت ہوئے گے۔ اسی طرح ہندو فارسی و عربی داں حضرات بھی خیالات کے ساتھ موقع بہ موقع عوام و خواص میں تفریحاً و نیز ضرورتاً بھی لوگوں کو مفہوم سمجھانے میں ہر زبان کے الفاظ ملا جلا کر استعمال کرتے رہے ہوں گے اور یہ رو یہ شمالی و جنوبی ہند دونوں جگہ کام میں لایا گیا ہوگا۔

ان روزمرہ کی ضرورتوں اور صورتوں میں ہم کو نئی زبان کے وجود میں آنے کی ایک اور خاص وجہ نظر آتی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو اسلام کی اشاعت کی سخت ضرورت تھی اور اس کے لئے مختلف و متعدد بزرگان دین و فقرا بے حد کوشش کر رہے تھے ان لوگوں کو عوام تک اپنا پیام پہنچانے کے لئے ہندوستان ہی کی زبانوں کو آلۂ کار بنانا ضروری تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کی باتیں سمجھ سکیں لہٰذا انہوں نے اس خیال کو مدنظر رکھ کر دیسی یا مقامی زبان میں جا بجا فارسی و عربی الفاظ اور محاورات صرف کئے جس کا تحریری ثبوت بھی ملتا ہے ان کی اس کارروائی میں پیدا ہونے والی زبان کو مذہب کی بھی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ یہ تھیں مختلف قوتیں جو شعوری یا غیر شعوری طور پر ہندو مسلمان دونوں کو مجبور کر رہی تھیں کہ اب فارسی و بھاشا وغیرہ سے کام نہیں چلتا۔ ضرورت و محبت کا تقاضا

یہ ہے کہ جیسے مشترکہ فنون لطیفہ، طرز معاشرت وغیرہ پیدا کر لیا گیا ہے ویسا ہی اظہار خیال کے لئے ایک نئی زبان بھی دو قوموں کی مختلف زبانوں سے ملا کر پیدا کر لی جائے۔

چونکہ زیادہ تعداد ہندوستانیوں کی تھی۔ لہذا مصلحت وضرورت کے لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ نئی زبان کا خمیر ہندوستانی ہو۔ ہاں نشو ونما اور شائستگی کے لئے خیالات والفاظ احتیاط کے ساتھ فارسی وعربی سے بھی لئے جائیں اس مطالبہ کی بنا پر ایک نئی زبان بھی وجود پذیر ہوئی جس کو مختلف ناموں سے یاد کرنے کے بعد اب دنیا اردو کہتی ہے۔

دور مغلیہ سے پہلے شمالی ہند میں کوئی ایسا تحریری ثبوت نہیں ملتا جس سے کہا جا سکے کہ اردو نے زبان کی صورت اختیار کر لی تھی ہاں دکن میں چند رسالے ضرور ایسے لکھے گئے جو عہد مغلیہ سے پہلے کے ہیں مثلاً شیخ عین الدین گنج علم اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے مذہبی رسالوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ شیخ عین الدین گنج علم دکن کے ایک مشہور بزرگ عالم ہیں جو دلی میں ۷۰۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انکے رسالے فرائض وسنن اور مختلف مسائل میں بہت مشہور رہیں جن کی تعداد چالیس تک پہنچتی ہے۔ ویسے علوم میں آپ کی طرف ایک سو بتیس ۱۳۲ کتابوں کی تعداد منسوب ہے۔

حضرت سید گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلفائے کبار میں شمار ہوتے ہیں۔ تصوف میں آپ کی تیس سے زیادہ تصانیف ہیں ان میں ہدایت نامہ اور معراج العاشقین مشہور بھی ہیں اور ضخیم بھی ملتقط کے نام سے آپ نے قرآن پاک کی ایک تفسیر بھی لکھی جس میں تصوف وسلوک کا رنگ نمایاں ہے۔

خواجہ کے بعد آپ کے نواسے سید محمد عبد اللہ الحسینی نے شیخ عبد القادر جیلانی کے ایک رسالہ کا دکنی اردو میں ترجمہ کیا۔ جو نشاط العشق کہلاتا ہے۔ اردو جب گجرات پہنچی تو گوجری یا گجراتی کہلائی چنانچہ گجرات کی اردو میں پہلا کلام شیخ بہاؤ الدین باجن (م ۹۱۲ھ) کا ملتا ہے۔ ان کے بعد شیخ خوب محمد چشتی (م ۱۰۲۳ھ) کی خوب ترنگ، صوفیانہ مثنوی کی بہترین مثال ہے۔ اس کتاب کے بارے میں شیخ فرماتے ہیں ؎

خوب ترنگ اس دیا خطاب مدح رسول اللہ باب

بیجاپور کے صوفیاء میں حضرت میراں جی (م ۹۰۲ھ) امیر خسرو ثانی کہلاتے ہیں اردو نثر و نظم میں

آپ نے متعدد رسالے لکھے ان میں گنج عرفان، شہادت التحقیق بہت مشہور ہیں ان رسالوں میں حقیقت توحید والحاد نیز اخلاق و تصوف کے مختلف مسائل پر بحث کرتے ہیں ۱۰۷۰ھ میں شاہ ملک بیجاپوری نے دینی مسائل پر دکنی نظم میں ایک رسالہ لکھا جس میں زیادہ تر نماز کے فرائض و احکام کی بحث کی ہے۔ سلوم پارشا نے تو اس کا نام شریعت نامہ لکھا ہے لیکن شمس اللہ قادری کے نزدیک محقق یہ ہے کہ اس رسالہ کا نام احکام الصلوٰۃ تھا۔ شیخ امین (م ۱۰۸۵ھ) حضرت میراں جی کے پوتے ہیں جواہر الاسرار کے نام سے پانچ سو صفحات پر مشتمل مجموعہ آپ نے تیار کیا۔ اس میں مختلف مثنویاں ہیں جن میں رموز السالکین، بہت نامہ، مفتاح التوحید، رسالہ قربیہ اور رسالہ وجودیہ بہت مشہور ہیں۔

روضۃ الشہدا ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی اس کے متعدد تراجم ہوئے دکنی نظم میں اس کا پہلا ترجمہ سیوا بیجاپوری نے ۱۰۹۲ھ/۱۶۸۰ء میں کیا۔ ان کی ایک مشہور تصنیف قانون اسلام ہے جس میں احکام شرعیہ اور مختلف مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اسی سال حنفی فقہ کی ایک کتاب کنز المومنین لکھی گئی جس کے مصنف سید شاہ عابد حسین (م ۱۰۹۳ھ) ہیں اسی دور کی ایک مشہور کتاب شمائل الاصفیاء دلائل الاتقیاء کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس کا ترجمہ میراں یعقوب نے بقول سکینہ ۱۰۷۸ھ اور بقول مولوی ضامن علی ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء میں کیا۔ اسی زمانے میں سید محمد قادر کے رسالہ جات وحدت الوجود وغیرہ پر لکھے گئے۔ شاہ راجو کا رسالہ تصوف، وجہی گولکنڈوی کی تاج الحقائق اسی دور کا مذہبی لٹریچر ہے۔

بھاشا میں عربی و فارسی کے الفاظ اور فارسی میں بھاشا کے الفاظ مستند شعراء کے کلام میں بھی آنے لگے تھے۔ چنانچہ فردوسی کے شاہنامہ میں کوتوال کا لفظ ملتا ہے جو خالص ہندی ہے ترسی نل کی کتاب بیسل دیولا سو میں عربی و فارسی کے الفاظ کافی ملتے ہیں یہ کتاب منظوم ہے اور ۱۱۵۵ء کی لکھی ہوئی ہے چند الفاظ ملاحظہ ہوں۔ کلا (کلاہ)۔ کباسے (قبا) باجا باجا (بعض بعض)

لیکن اس قسم کے رد و بدل کے علاوہ کوئی مستقل تصنیف یا تحریر پندرہویں صدی عیسوی تک نہیں ملتی۔ امیر خسرو کی پہیلیاں، انمل، دوسخنے تیرہویں یا چودھویں کے پیداوار کہے جا سکتے ہیں کیونکہ ان کا زمانہ ۱۲۵۳ء سے ۱۳۲۵ء تک ہے۔ لیکن ابھی یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا کہ جو چیزیں امیر خسرو سے منسوب کی جاتی ہیں حقیقتاً ان ہی کی ہیں یا کسی دوسرے کی۔ گمان غالب یہ

ہے کہ یہ چیزیں ان کی نہیں ہیں اس لئے کہ ان کے مطبوعہ کلام میں ان چیزوں کا پتا نہیں صرف یہ شعر ہے

اری اری ہے پیاری آئی ماری ماری برہ کی ماری آئی

اگر کبیر کے کلام کو ہم اردو مان لیں تو البتہ کہہ سکتے ہیں کہ چودھویں صدی میں اردو زبان کا مستقل زمانہ ملتا ہے۔ کبیر کا کلام ایسا ہے کہ اس کو ابتدائی اردو ماننے میں کوئی دقت نہیں ہوتی بعض مقام تو ایسے آگئے ہیں جن کو بلا تکلف اردو غزل کہہ سکتے ہیں مثال کے لئے ملاحظہ ہو ے

ہمن ہے عشق مستانہ ہمن کو ہوشیاری کیا رہیں آزاد یہ جگ میں ہیں دنیا سے یاری کیا
جو بچھڑے ہیں پیارے سے بھٹکتے دربدر پیارے ہمارا یار ہے ہم میں ہمن کو انتظاری کیا !
خلق سب نام اپنے کو بہت سا سر پٹکتا ہے ہمن گر نام سانچا ہے ہمن دنیا سے یاری کیا
نہ پل بچھڑے پیا ہم سے نہ ہم بچھڑے پیارے سے ان ہی سے نینھ لاگی ہے ہمن کو بیقراری کیا
کبیرا عشق کا ماتا دوئی کو دور کر دل سے جو چلنا راہ نازک ہے ہمن کو بوجھ بھاری کیا

ہندو مسلمان نئے تمدن سے متأثر ہو چکے تھے نئی زبان کے لئے چشم براہ تھے خوشی خوشی اس کو آگے بڑھانے لگے کہیں سے مخالفت کا اندیشہ نہ رہا۔ اگر ہو بھی سکتا تھا تو علمائے دین سے کیونکہ ان کی وضعداری اور قدامت پرستی اپنی زبان کو آسانی سے تبدیل ہوتے نہیں دیکھ سکتی لیکن سب سے زیادہ مدد نئی زبان کو بزرگانِ دین ہی سے ملی۔ اس کی اشاعت میں انہوں نے اپنا بھی فائدہ دیکھا اس لئے اس کی اعانت ضروری سمجھی تاکہ ہندوستان میں اسلام کا پیام آسانی اور تیزی سے عوام تک پہونچ سکے۔ بقول ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کے۔

"اردو کو دیگر زبانوں کے درمیان یہ اعزاز و افتخار حاصل ہے کہ یہ اپنی پیدائش کے وقت سے ہی مومنہ اور کلمہ گو رہی ہے۔ صوفیائے کرام اور مبلغین اسلام کے ہاتھوں دین متین کی ترویج و اشاعت کے لئے پروان چڑھی اور شروع سے ہی اس کی توتلی زبان پر حمد و ثنا اور نعت رسول مقبول جاری ہو گئی"

(اردو میں نعت گوئی: ریاض مجید۔ (ڈاکٹر) لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۷۱)

فارسی، عربی میں لوگوں کا سمجھنا مشکل تھا اور مختلف پراکرتوں سے بزرگانِ دین کا

جلد واقف ہو جانا آسان نہ تھا۔ اس لئے یہ زبان ایک ترجمان کا کام کرنے کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہوئی اور علمائے دین نے غالباً سب سے زیادہ اس نئی زبان کی سرپرستی کی۔

اس سلسلے میں مسیحی پادریوں کا کارنامہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں انہوں نے بھی مذہب کی اشاعت کے لئے اردو زبان کو آلۂ کار بنایا۔ انجیل کا اردو میں ترجمہ کرکے عوام میں عیسائیت کی ترویج کی کوشش کی۔ سب سے پہلے بنجمن شلز اور کالبرگ نے ۱۷۴۸ء میں اردو ترجمہ شائع کیا۔ اور اس کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس مذہبی اشاعت کے ساتھ ساتھ اردو عوام اور غیر مسلم میں پہنچتی رہی۔ (تاریخ نظم ونثر اردو ص ۲۲۱)

گیارہویں صدی ہجری کے آخر تک کے مذہبی لٹریچر کا مختصر جائزہ لینے کے بعد جب ہم نتائج کی طرف آتے ہیں تو دو باتیں بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اردو کے ارتقاء میں ایک طرف مذہبی لٹریچر نے جو کردار ادا کیا وہ اردو کی تاریخ میں اہم ترین بنیادی شئی ہے بلکہ بقول، ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی "اردو کے (اس) پہلے دور کو اگر مذہبی دور کہیں تو بیجا نہ ہوگا"، (شبلی ایک دبستان ڈھاکہ ص ۵۲) دوسری جانب ہم ان علماء اور صوفیاء کی مساعی پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے جن کے قلم اور زبان کی بدولت اس برصغیر میں اسلام کا نور ہر طرف پھیلا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس لٹریچر نے اصلاحات کے معاملہ میں ہندوؤں کے مذہبی لٹریچر کو بھی بہت متاثر کیا ہے۔ پتیال، گھنگھور، پدماوت، رانی کیتکی گو کہ اردو کی قدیم کتابیں ہیں اور ہندو دیومالا سے متعلق ہیں لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان میں اصطلاحات زیادہ تر اسلامی تصوف ہی کی گئی ہیں دیاشنکر نسیم کی مثنوی "گلزار نسیم" کے چند ابتدائی اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

ثمرہ ہے قلم کا حمد باری — ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
کرتا ہے یہ دو زبان سے یکسر — حمد خدا اور مدحت پیمبر
پانچ انگلیوں میں نغمہ زن ہے — گویا کہ مطیع پنجتن ہے

اگرچہ یہ کلام بعد کا ہے لیکن اردو زبان میں اسلامی لٹریچر کے گہرے اثرات ہندوؤں کی ابتدائی تحریروں میں نظر آتے ہیں۔ اردو کے اس ابتدائی دور یعنی گیارہویں صدی ہجری کے بعد اردو نظم ونثر کی ترقی کا زریں دور شروع ہوتا ہے۔ جس میں سرسید، شبلی، حالی، مولوی چراغ الدین، مولوی محمد باقر، محمد حسین آزاد، احمد رضا خاں بریلوی اور دوسرے مشاہیر علمائے

ہند اسلامی علوم مثلاً ترجمہ قرآن، تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اسمار الرجال، عقائد، کلام، فلسفہ، تصوف، سیرت وسوانح وغیرہ میں تصانیف کرنے یا مشہور عربی و فارسی کتب کے تراجم کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ فی الواقع ان آخری صدیوں میں شائع ہونے والا اسلامی کتب کا یہ بے بہا ذخیرہ انہی بنیادوں پر ایک شاندار عمارت ہے جنہیں اردو ادب کے ابتدائی میں برصغیر کے علمار و صوفیا نے اردو ادب کی زمین پر اپنی انتھک محنتوں سے رکھا تھا۔ ختم شد

بقیہ : نظرات

ماہ اپریل و مئی کا مشترکہ شمارہ

آجکل مہنگائی کا زور جس قدر ہے وہ سب ہی پر عیاں ہے جس تیزی سے مہنگائی کی رفتار بڑھ رہی ہے اس کے آگے ہوائی جہاز کی رفتار بھی ماند پڑ گئی ہے ـــ اور اس پر مستزاد! اخباری کاغذ کی کمیابی۔ بڑے بڑے انگریزی، ہندی اور اردو اخبارات کے کس بل نکل چکے ہیں، ایسے میں رسالہ " برہان " کا شمار کس قطار میں کیا جائے یہ رسالہ تو تمامتر" خدمتِ علم و دین، ادب و صحافت میں مصروف ہے، کاروبار سے اس کا کیا تعلق! ہر شخص کو واقف ہو جانا چاہیئے کہ اس مہنگائی اور کاغذ کی نایابی و کمیابی کیوجہ سے رسالہ برہان سخت مشکل دور سے گزر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کرم و فضل اور رحم فرمائے۔

زیر نظر شمارہ اپریل و مئی ۹۵ء کا مشترکہ شائع کیا جارہا ہے۔ کوشش و جستجو انشاءاللہ ہر حال میں رہےگی کہ آئندہ رسالہ برہان پابندی سے وقت پر ہر ماہ شائع ہوتا رہے۔

رسالہ کے معاونین کرام سے گزارش ہے کہ وہ موجودہ سخت مشکل حالات میں دامے درمے سخنے تعاون و امداد فرمائیں۔ ادارہ اس کے لئے آپکا انتہائی شکر گزار رہے گا۔

(ادارہ)